السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

قرآن کی روسے اسلام نے بیٹی کو بیٹے کی نسبت میراث میں آدھا حصہ دیا ہے۔ انسانی حقوق کے علمبردار اسے غیر منصفانہ قرار دیتے ہیں جبکہ ابھی حال ہی میں سندھ ہائی کورٹ کے جسٹس شائق عثمانی نے قرآن کے اس حکم کو تبدیل کرنے اور اجتہاد کرنے کی بات کی ہے۔ کیا قرآن مجید کا یہ حکم غیر منصفانہ اور مساوات مرد وزن کے خلاف ہے نیز کیا قرآن وسنت کے واضح اور صریح احکام اور نصوص میں اجتہاد کیا جا سکتا ہے؟ (عبد اللہ لاہور)

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

دور حاضر میں یہود ونصاریٰ مسلمانان عالم کو صراط مستقیم سے ہٹانے کے لیے آئے روز گمراہ کن اور شر انگیز نعرے بلند کر رہے ہیں۔ ان نعروں میں آزادی نسواں، مساوات مرد وزن، منصوبہ بندی، انسانی آبادی کی فلاح و بہبود وغیرہ کی آڑ لے کر شیطانی تہذیب کے دلدادہ اور رسیا ہمہ تن مصروف عمل ہیں تاکہ مسلمانوں کی نئی نسل اور خواتین کو ہدف بنا کر گھر گھر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغاوت کو عام کر دیا جائے۔ مغربی تہذیب کی آشوب سامانیوں کو عام کرنے کے لیے ذرائع ابلاغ کو بھر پور استعمال کیا جا رہا ہے اور دانشوران سوء،ججز اور وکلاء قسم کے لوگ بھی اس کار شر میں نمایاں نظر آ رہے ہیں۔ ان وکلاء اور دانشوران سوء نے مستشرقین کے زیر تربیت اسلامیات کی ڈگریاں لی ہوتی ہیں اس لیے یہ بھی یہود وہنود کی زبان بولتے ہیں اور رب العالمین کے مبنی بر انصاف احکامات پر دشنام طرازیاں اور زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو احکم الحاکمین کی بہ نسبت مخلوق کا زیادہ خیر خواہ قرار دیتے ہیں۔ اسلام نے عورت کو جس قدر حقوق دیئے ہیں اس کی مثال کسی دوسرے مذہب میں ملنی مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اسلام سے قبل عورت کو جس ذلت وحقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ قرآن حکیم نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

وَإِذا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالأُنثىٰ ظَلَّ وَجهُهُ مُسوَدًّا وَهُوَ كَظيمٌ 58 يَتَوٰرىٰ مِنَ القَومِ مِن سوءِ ما بُشِّرَ بِهِ أَيُمسِكُهُ عَلىٰ هونٍ أَم يَدُسُّهُ فِى التُّرابِ أَلا ساءَ ما يَحكُمونَ 59 ... سورة النحل

"اوران میں سے جب کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل میں گھٹنے لگتا ہے۔ اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کیا اس ذلت کو لیے ہوئے ہی رہے یا اسے مٹی میں دبا دے؟ کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں۔"

اس آیت کریمہ میں یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ کہ اسلام سے قبل عورت قعر مذلت میں گری ہوئی تھی۔ اسلام نے اسے عزت ووقار اور عفت وعصمت کا حسین لبادہ پہنایا اور اسے ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے اعتبار سے بہت سے حقوق عطا کئے ہیں۔ اسے ذلت ونامرادی سے نکال کر احترام ووقار کی وادی میں داخل کر دیا۔ لیکن مغربی اقوام اور مغرب زدہ بے راہ رو افراد کو یہ بات گوارا نہ ہوئی۔ انھوں نے حقوق نسواں کے نام سے اسے حجاب اسلامی سے نکال کر سر بازار عریاں کر دیا۔ سیکولر اور لبرل معاشرے کے افراد نے عورت کے ان حقوق کو جو اسے اسلام نے عطا کیے۔ ہدف تنقید بنایا۔ معترضین نے عورت کی سر براہی، مردوں کے ساتھ اختلاط، معاشی اور معاشرتی زندگی میں آزادنہ ماحول، دیت وشہادت، حجاب دستر اور وراثت کے حکام کو اچھالا اور فضول ولایعنی قسم کے اعتراضات کئے اور انہیں ظلم وناانصافی سے تعبیر کیا۔ حالانکہ ایسے افراد نے ہمیشہ عورت کو اس کے اصلی حقوق سے محروم رکھا ہے بالخصوص وراثت کے احکام کو بہت زیادہ پامال کیا ہے۔ اسلام سے قبل عورت وراثت سے بالکل محروم تھی۔ ان کے ہاں یہ تصور تھا کہ عورت نہ تو جنگ میں حصہ لے سکتی ہے اور نہ ہی اپنے خاندانی افراد کا تحفظ ودفاع کر سکتی ہے لہٰذا وہ خاندان کی دولت کی وارث کیسے بن سکتی ہے۔ امام سعید بن جبیر رحمة اللہ علیہ اور امام قتادہ رحمة اللہ علیہ سے مروی ہے۔ کہ:

"كان المشركون يجعلون المال للرجال الكبار، ولا يورثون النساء ولا الأطفال شيئا، فأنزل الله: (لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۚ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا)"

(تفسیر ابن کثیر 1/494-498) تفسیر ابن ابی حاتم 3/872)

"مشرکین مال بڑے مردوں کے لیے مقرر کرتے تھے۔ عورتوں اور بچوں کو وراثت میں سے کچھ نہیں دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ "مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور زیادہ قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو۔ اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور زیادہ قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے")

اس سے معلوم ہوا کہ قبل از اسلام عورت وراثت سے محروم رکھی جاتی تھی

تو اسلام نے آ کر عورت کو حق وراثت دلوایا اور مختلف اعتبارات سے اس کے حقوق کو مقرر فرما دیا۔ یہود ونصاریٰ نے بھی عورت کے اس مسئلہ میں بے انصافی سے کام لیا ہے اگرچہ ان کے ہاں عورت کا حق وراثت ہے لیکن عورت کے لیے اپنے ہی خاندان میں شادی کا حکم لگا کر عملاً اس حق کو ختم ہی کر دیا ہے جیسا کہ پرانے عہد نامہ میں کتاب گنتی باب 36 آیت 8،7،6 میں ہے کہ:

"سو صلافحاد کی بیٹیوں کے حق میں خداوند کا حکم ہے کہ وہ جن کو پسند کریں ان ہی سے بیاہ کریں لیکن اپنے باپ دادا کے قبیلہ ہی کے خاندانوں میں بیاہی جائیں۔ یوں بنی اسرائیل کی میراث ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ میں نہیں جانے پائے گی کیونکہ ہر اسرائیلی کو اپنے باپ دادا کے قبیلے کی میراث کو اپنے قبضہ میں رکھنا ہوگا۔"

بائبل کی اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں نے عورتوں کے اوپر اپنے ہی خاندان میں نکاح کی پابندی لگا کر اسے خود آزادی اور وراثت کے اصل قانون سے محروم کر دیا۔ لیکن ان کے پروردہ حضرات جو اسلام کی حقیقی

تعلیمات سے نابلد اور نا آشنا ہیں وہ اسلام کے عدل و انصاف پر مبنی قوانین و احکام پر معترض ہوتے ہیں ۔ حالانکہ ذات باری تعالیٰ عادل و منصف ہے اور عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند کرتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی قانون بھی ظلم و تعدی پر مبنی نہیں ہے اسلام نے وراثت کے بارے میں جتنے قوانین ذکر کیے ہیں تمام عدل و انصاف پر مبنی ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد کا حق ذکر کرتے ہوئے فرمایا :

وصیکُمُ اللَّہُ فی أَولـٰدِکُم لِلذَّکَرِ مِثلُ حَظِّ الأُنثَیَینِ ١١ ... سورۃ النساء

"اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد کے بارے حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے ۔ "

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تقسیم وراثت کا ایک اصول بیان فرمایا ہے کہ جب کوئی آدمی فوت ہو جائے تو اس کے ورثاء میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوں تو تقسیم اس طرح ہو گی کہ جتنا حصہ دو لڑکیوں کو ملے گا اتنا حصہ اکیلے ایک لڑکے کا ہو گا ۔ یہ تقسیم مبنی بر انصاف ہے اس میں ظلم و تعدی کو ذرہ برابر بھی دخل نہیں ۔ اسلام کے خاندانی نظام میں معیشت کی تمام تر ذمہ داری مرد کے کندھوں پر ہے ۔ عورت کو نظام معیشت سے فارغ رکھا ہے اور مرد کو اس کا کفیل بنایا ہے اور مرد پر عورت کے علاوہ اس کے بچوں بوڑھے والدین اور دیگر ضروریات کا بھی بوجھ ہے بلکہ حق مہر کی صورت میں بھی عورت کے پاس مال آتا ہے اور اس کی ادائیگی بھی مرد کرتا ہے علاوہ ازیں عورت اپنے باپ ، بھائی خاوند او بیٹے سے بھی حق وراثت پاتی ہے مگر اس کا اپنا خرچ اس کے ذمہ نہیں ۔ اس کو جو مال وراثت میں حاصل ہوتا ہے وہ اس کے پاس محفوظ ہے ۔ چاہے اسے کاروبار میں لگائے یا جمع کر کے رکھ چھوڑے ۔ غرض جیسا چاہے اس مال میں تصرف کر سکتی ہے ۔ اس لحاظ سے مرد کو عورت کی نسبت دگنا مال دیا ہے اس لیے اگر عورت کا حصہ نصف کی بجائے مرد کے برابر ہوتا تو یہ مرد پر ظلم تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا کیونکہ وہ عادل و منصف ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم و علیم بھی ہے ۔ اس کے فیصلے درست ہوتے ہیں جن میں ذرہ برابر بھی ظلم و ناانصافی کو دخل نہیں ہوتا ۔

اگر دونوں کا وراثت میں حصہ برابر ہوتا تو عورت کی بجائے مرد یہ مطالبہ کر سکتا ہے کہ میرے اوپر معاشی بوجھ اور ذمہ داریاں ہیں عورت کو بھی اس بار گراں میں شریک کیا جائے اور کچھ ذمہ داریاں اس ڈال دی جائیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ ذمہ داریوں کے تعین کے اعتبار سے اسلام کا نظام وراثت فطری اور منصفانہ ہے ۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اعلام الموقعین 2/113 میں یہ وجہ ذکر کی ہے کہ وراثت کا تعلق معاشی ذمہ داری کے ساتھ ہے ۔ بیٹا بیٹی کے مقابلے میں باپ کی مالی و معاشی خدمت زیادہ سر انجام دیتا ہے لہٰذا اس کو باپ کے ترکے میں سے بھی زیادہ حصہ ملنا چاہیے ۔ اسلام کے نظام وراثت میں بعض صورتیں ایسی ہیں کہ مرد اور عورت کو برابر حصہ دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔

وَلِأَبَوَیهِ لِکُلِّ و‌ٰحِدٍ مِنهُمَا السُّدُسُ مِمّا تَرَکَ إِن کانَ لَهُ وَلَدٌ ١١ ... سورۃ النساء

"میت کے ماں اور باپ میں سے ہر ایک کے لیے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے اگر اس میت کی اولاد ہو ۔ "

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ میت کی اولاد کی صورت میں ماں باپ کا حصہ برابر ہے ۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کا برابر حصہ ذکر کر دیا ہے ۔ اور بعض صورتوں میں عورت کا حصہ مرد کی نسبت سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے ۔ مثال کے طور پر میت کے ورثاء میں ایک بیٹی اور دو بھائی ہیں تو ایک بیٹی ترکے کا نصف حصہ لے گی اور باقی نصف دونوں بھائیوں میں برابر تقسیم ہو گا ۔ اس طرح یہاں میت کے بھائی کے مقابلہ میں بیٹی زیادہ حصہ لے رہی ہے اس لیے کہ وراثت میں زیادہ قریبی رشتہ داروں کا حق زیادہ ہے ۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسلام میں وراثت کے معاملہ میں عورت سے کہیں بھی ظلم و ستم اور ناانصافی سے کام نہیں لیا گیا ۔ کہیں مرنے والے کے ساتھ عورت کو زیادہ قربت کی بنا پر اہمیت دی گئی ہے جبکہ دوسری طرف مرد کی معاشی ذمہ داریوں کو مد نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کیا گیا ہے ۔ اس بنیاد پر وراثت میں عورت کا حصہ کہیں کم اور کہیں زیادہ دے کر عدل و مساوات کی مثال قائم کر دی گئی ہے لہٰذا سندھ ہائی کورٹ کے جسٹس شائق عثمانی کی بات اسلام کے متصادم ہونے کے ساتھ ساتھ توہین احکم الحاکمین بھی ہے جس پر انہیں سچی توبہ کرنی چاہیے بلکہ ایسے مغرب زدہ اور بے راہرو افراد کو کرسی عدالت پر فائز کرنا خود غیر منصفانہ اور ظالمانہ فیصلہ ہے اور کرسی عدالت کی توہین ہے ۔

رہا قرآن حکیم کی واضح نصوص اور احکام صریحہ میں اجتہاد کا دروازہ کھولنا ، یہ سراسر عبث اور لغویات ہے ۔ حنفی علماء کے ہاں تو اجتہاد و قیاس کا دروازہ چوتھی صدی ہجری سے بند ہو چکا ہے ۔ جیسا کہ علامہ عبدالحیٔ لکھنوی حنفی نے سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر ص 190 ، 191 ، میں لکھا ہے کہ :

"*علی أنّ القیاس بعد الأربع مائۃ منقطع ، فلیس لأحد بعدها أن یقیس مسألۃ علی مسألۃ [120] -کما صرّح بہ العلامۃ زین ابن نجیم [121] فی رسائلہ* "

"قیاس چار صدیوں کے بعد سے منقطع ہے اس کے بعد کسی کے لیے اس بات کی گنجائش نہیں کی ایک مسئلے کو دوسرے مسئلے پر قیاس کرتا رہے جیسا کہ علامہ ابن نجیم نے اپنے رسائل میں ذکر کیا ہے ۔ "

جبکہ اہلحدیث کے ہاں مسائل منصوصہ میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں لیکن وہ مسائل جو صراحتاً کتاب و سنت سے ثابت نہیں ان کے بارے میں کتاب و سنت سے استدلال کیا جاتا ہے ۔ اس شرط کے تحت وہ علماء جو کتاب و سنت کے فہم سے منور ہیں اور عربی لغت نحو و صرف وغیرہا جیسے فنون کے ماہر ہیں ۔ ان کے لیے اجتہاد کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے ۔ قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

"*لا اجتهاد فی القطعیات*" (ارشاد الفحول ص 371)

"وہ مسائل جو نصوص قطعیہ سے ثابت ہیں ان میں اجتہاد نہیں ۔ "

میرے شیخ حافظ ثناء اللہ زاہدی حفظہ اللہ تلخیص الاصول ص 78،77 ، میں رقم طراز ہیں کہ :

"*کل ما ثبت بدلیل لم یقطع بثبوتہ ولا بدلالتہ واختلف العلماء فیہ ہو مجال الاجتہاد ، وکذلک الوقائع والنوازل التی لم تشملہا الأدلۃ نصاً ولم یسبق البحث فیہا وأما ما أجمعوا علیہ مما دلت علیہ النصوص قطعاً ، فلا یجوز فیہ الاجتہاد*" .

"ہر ایسا مسئلہ جو ایسی دلیل سے ثابت ہو جو ظنی الثبوت اور ظنی الدلالت ہو اور اس میں علماء کا اختلاف ہو ۔ وہاں اجتہاد کیا جاتا ہے اور اسی طرح ایسے حالات و واقعات جو نصوص سے ثابت نہ ہو اور نہ ان میں بحث کی گئی ہو ۔ لیکن

وہ اجماعی مسائل جن پر کتاب وسنت کی قطعی ادلہ موجود ہیں ان میں اجتہاد جائز نہیں ۔"

نیز ملاحظہ ہو: الاحکم للاترمذی 3/206، المستصفیٰ للغزالی 2/354، اصوا الفقہ لمحمد سلام ص 344، الاجتہاد للدکتور عبدالمنعم ص 29۔ 1، 30ھ، الفقہ للزحیلی 2/1053۔

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ جس مسئلہ میں کتاب وسنت کی صریح ادلہ موجود ہیں وہاں اجتہاد کی گنجائش نہیں لیکن وہ مسائل جو صراحتاً ثابت نہ ہوں ان کے لیے کتاب وسنت سے استدلال کیا جاتا ہے اور وراثت کا یہ مسئلہ کتاب وسنت کی نصوص صریحہ صحیحہ سے ثابت ہے۔ اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں۔ ایسے مسائل میں اجتہاد کا دروازہ کھولنا بے دینی اور الحاد کو راہ دینا ہے اور جو لوگ ایسے مسائل میں اجتہاد کی راہ نکال رہے ہیں وہ گمراہ اور دجال ہیں۔ اللہ تعالیٰ کتاب وسنت کو سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

آپ کے مسائل اور ان کا حل

جلد2۔کتاب المیراث۔ صفحہ نمبر495

محدث فتویٰ